غزالہ نگار اورکزئی

غزالہ نگار اورکزئی

دستِ صبا ہم ہوئے کہ تم

"ہاں یار! لڑکی ہے تو زبردست۔ لیکن لیکن کچھ الٹی پلٹی سی ہے۔" مراد نے سر کھجاتے ہوئے توقیر سے اتفاق کیا تو اوپر گیلری میں کھڑے پروفیسر سرمد حیات نے کتاب سے نظریں ہٹا کر نیچے دیکھا۔ پرولیس اور فائنل کے لڑکوں کا گروپ کھڑا کافی دیر سے پشمینہ اعظم پر تبصرے کر رہا تھا۔ ان میں سے کسی نے سر حیات کو نہیں دیکھا تھا جو گیلری میں کھڑے لیکچر تیار کرنے کے ساتھ دھوپ سینک رہے تھے، ورنہ ان کی اتنی چہیتی اسٹوڈنٹ یہ یوں کھلے بندوں ریمارکس پاس نہ کرتے۔

"میں تو حیران ہوں آخر اس لڑکی کے مغز میں کیا ہے؟ ادھر مار' ادھر پیٹ' عجیب جلاد ہے۔" پرویز نے ضیغم کے کندھے سے لٹکتے ہوئے کہا۔

"فہمیدہ نہیں کہہ رہی تھی کل کہ باپ کی تربیت نے اکلوتی بیٹی کو بگاڑ دیا ہے' پھر کتابیں پڑھ پڑھ کر اور فلمیں دیکھ دیکھ کر بھی کچھ۔۔۔" توقیر حسب معمول بات آدھی چھوڑ کر خاموش ہو گیا۔

"یار! شروع میں جب اسکول میں میری کلاس فیلو تھی۔ تب تو یہ ایسی نہ تھی۔" اکبر سوچتے ہوئے بولا۔

"شیطان کو یاد کرو اور وہ حاضر!" سبط حسن نے گھبرا کر کہا۔

"بی کیئر فیل! ڈی ایس پی آ رہے ہیں۔" ضیغم نے اعلان کیا۔

سر حیات نے مسکراتے ہوئے دیکھا۔ سامنے سفید ٹراؤزر اور سفید اوور آل میں پشمینہ حسب معمول کتاب ہاتھ میں پکڑے وقتاً "فوقتاً" اسے انڈر لائن کرتی' پڑھتی ہوئی چلی آ رہی تھی اور یہ تو مانی ہوئی بات تھی کہ دماغ و زبان کی طرح اس کے کان بھی تیز تھے' لڑکوں کی باتیں وہ دس میل پرے سے سن چکی تھی' لیکن یوں اطمینان سے آ رہی تھی جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔

لڑکوں کا گروپ بالکل خاموش' بڑی شرافت سے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ تب پاس سے گزرتے ہوئے پشمینہ نے کتاب سے نظریں ہٹائے بغیر تیز آواز میں کہا۔

"یہ خاموشی کسی طوفان کی علامت ہے۔" اور سب کے سب بوکھلا گئے۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" اکبر چیں بہ جبیں ہو کر بولا۔

"خوامخواہ ہمیں چھیڑتی ہو اور پھر جھگڑا کھڑا کر دیتی ہو۔" ضیغم نے منہ بنایا۔

"زیادہ اسمارٹ نہ بنو ضیغم! تمہیں تو بعد میں سمجھ لوں گی۔ یہ بتا دوں کہ میں بہری نہیں ہوں۔" وہ حسب معمول چیخ کر بولی۔

"تو کیا ہوا اب؟" پرویز جھلا کر بولا۔

"مجھے بجائے وضاحت کرنے کے جوتا اتار کر مارنا چاہیے تھا تم لوگوں کو۔" اس نے اپنی مخصوص دھمکی دیتے ہوئے تیوری چڑھائی۔

"دیکھو پشمینہ! ہم بڑا برداشت کر رہے ہیں۔" مراد نے اعلان کیا۔

"چونچ بند رکھو' ورنہ مجھ سے برا کوئی نہ ہو گا۔" اس نے غرا کر مراد کو دیکھا۔

"اور اگر ہم میں سے بھی کوئی برا نہ ہو تو پھر؟" اکبر نے سوچ سوچ کر نکتہ اٹھایا۔

"چپ کرو یار! تمہیں تو خواتین کا احترام کرنا بھی نہیں آتا۔" پشمینہ نے ہاتھ جھٹکتے ہوئے لاابالی پن سے کہا۔

"یہ اچھی انسانیت ہے' خود جھگڑے کرو' دھمکیاں دو اور ہم کچھ کہیں تو۔۔۔" پرویز نے بڑبڑانا شروع کر دیا۔

"تمہیں کس نے کہا تھا مجھ پر تبادلۂ خیال کرنے کو؟" پشمینہ نے جرح کی۔

"یہ لو ہم کوئی تمہاری بات کر رہے تھے' ایسے ہی خوش فہمی ہے تمہیں۔" اکبر کی اس وقت کی اداکاری تھرڈ کلاس تھی۔

"اور یہ ڈی ایس پی کسے کہا جا رہا تھا؟" وہ لال پیلی ہو کر گرجی۔ سب ہی ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔

"خبردار! جو آئندہ مجھ پر تبصرے کیے۔ اس بار تو میں معاف کیے دے رہی ہوں۔ آئندہ نتائج کے تم خود ذمہ دار ہو گے۔" پشمینہ نے سن گلاسز لگاتے ہوئے کہا' جیسے ان کی سات پشتوں پر احسان کر رہی ہو۔ اور آگے

بڑھ گئی۔

"شکر ہے بلا ٹلی۔" سبط حسن نے اپنی طرف سے طویل سانس لینے کی کوشش کی۔ لیکن اس کا آدھا سانس اندر اور آدھا باہر ہی رہ گیا' جب اس نے دس قدم دور سے پلٹ کر اسے گھورا اور چیخ کر بولی۔

"تم سمجھتے کیا ہو خود کو؟" سبط حسن کے تو رہے سہے اوسان بھی گئے۔ ویسے بھی وہ پشمینہ سے کچھ زیادہ ہی ڈرتا تھا اور اب کوئی جواب اس سے بن نہ پڑا۔

"دیکھو حسن! یہ تمہارے گینگ کو آخری وارننگ ہے میری' سمجھ گئے۔" وہ وہیں سے دھاڑی۔

"اچھا بابا! معافی مانگتے ہیں ہم' آئندہ جو تمہارے متعلق بات کی تو پھانسی پر لٹکا دینا۔" پرویز نے ہاتھ جوڑ دیے۔

خلاف معمول وہ کچھ اور کہے بغیر پلٹ گئی۔ دیوار کے پیچھے اسے اوجھل ہوتا دیکھ کر ضیغم نے شکر کا کلمہ ادا کیا۔

"شکر ہے جان بچی' سو لاکھوں پائے۔" دوسرے لمحے وہ دیوار کے پیچھے سے نکل کر انہیں گھورنے لگی۔

"بھوت بھوت۔ بھاگ چلو یار!" ضیغم گھبرا کر بولا۔ اور وہ سب یوں ہوا ہوئے گویا تھے ہی نہیں۔

☼ ☼ ☼

پشمینہ ایک ریٹائرڈ کرنل اعظم خٹک کی اکلوتی اور چہیتی بیٹی' مری کانونٹ سے پڑھ کر اور لاہور کے مانے ہوئے فیشن ایبل کالج سے بی۔ اے کرکے اب جرنلزم میں ایم اے کرنے پنجاب یونیورسٹی آئی تھی۔ کوہاٹ کی اس لڑکی نے آتے ہی دو باتوں کا سکہ جمایا ایک ذہانت کا اور دوسرے جھگڑالو پن کا۔

بقول فہمیدہ قیصرانی۔

"جھگڑے مول لینا اس کی پرانی ہابی ہے۔"

کسی کی بات ہو' آپ اس کی طرف سے رضاکارانہ لڑنے کو حاضر۔ جب لاہور میں جوڈو اور کراٹے کی منحوس ہوا چلی تو سب سے پہلے اسی نے کلاسز جوائن کیں اور یلو بیلٹ تک پہنچ چکی تھی' لڑکے اسی لیے اس سے بدکتے تھے اور انگلش ڈپارٹمنٹ کا سب سے ہینڈسم اور ٹاپ کا فلرٹی ظہور بھٹی اس کے عشق میں دوبار پٹ کر اسلام آباد یونیورسٹی میں مائیگریٹ ہو گیا تھا۔ اس کی یہ بدنامی یا شہرت دوسرے ڈیپارٹمنٹس میں اس کا تعارف کروانے کو کافی تھی۔

لڑکے اس کے پاس موجودگی کے دوران بڑے مہذب اور شائستہ بنے رہتے اس کی موجودگی بس اسٹاپس پر امن وامان کی ضامن تھی' ادھر آپ کیفے ٹیریا میں داخل ہوئے' ادھر ان سب لڑکے اور لڑکیوں کو سانپ سونگھ گیا۔ جن کے بوائے فرینڈز اور گرل فرینڈز تھیں اور وہ کھسکنے شروع ہوئے۔ کیونکہ وہ جوڑے آپ کی خوامخواہ کی ٹانگ اڑانے کی عادت سے آپ سے سرعام ڈانٹ کھا چکے تھے۔ بقول پشمینہ۔

"لڑکے لڑکیوں کی دوستی مجھے ایک آنکھ نہیں بھاتی۔ اس معاملہ میں میں بہت کنزرویٹو ہوں۔"

اور انہی حرکات کی بنا پر جس کسی نے اسے ڈی ایس پی کا خطاب دیا تھا۔ ٹھیک ہی دیا تھا' لڑکوں کے نزدیک فہمیدہ قیصرانی' پنجاب یونیورسٹی کی سب سے بہادر لڑکی تھی۔ کیونکہ وہ پشمینہ اعظم کی واحد چہیتی دوست تھی۔ اس سے کھلے بندوں مذاق کرنے اور اس کے فری اسٹائل مکے اور ہاتھ بڑی شرافت سے برداشت کرکے اسے جوابی کہنیاں بھی رسید کر لیتی تھی۔ لڑکے ہمیشہ اس "کمبخت" کی قسمت کا ماتم کرتے آئے تھے' جس کو خدا نے اس کا جوڑا بنا کر بھیجا تھا۔ ظہور بھٹی نے اپنی ہڈیاں سینکتے ہوئے خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا تھا کہ وہ اس عظیم آفت ارضی وسماوی سے بال بال بچ گیا۔

☼ ☼ ☼

یہ تو سب کو علم تھا کہ اس کی منگنی بچپن ہی میں کسی کزن سے ہوگئی تھی۔ لیکن سب ہی کے نزدیک وہ بچپن کے فیصلوں کو ماننے والی شے نہ تھی۔ خصوصاً جس فیصلے میں اس کی رائے بھی شامل نہ ہو۔

اور تب اپریل کے خوشگوار دنوں میں نہر کے کنارے درختوں کی چھاؤں میں پولیٹکل سائنس

کے نوید پراچہ نے ہسٹری کی نزہت الطاف کے قریب ہوتے ہوئے بڑے رومانٹک انداز میں کہنا شروع کیا۔

"نزہا! میں تمہارے بغیر اس زندگی کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ تم میری روح' میری کائنات' میری حیات ہو۔ میرے جیون کا۔"

تو بیس فٹ دور سڑک سے گزرتے ہوئے جرنلزم والوں کے ٹولے میں پشمینہ اعظم کے کان کھڑے ہوگئے اس وقت وہ سب پروفیسر سرمد حیات کے ساتھ ان کے بھائی کی شادی کی ٹریٹ لینے جا رہے تھے۔ تب سرمد حیات سے بھابھی حنا کے متعلق انکوائری کرتے کرتے پشمینہ نے آنکھیں میچ کر نہر کنارے کی طرف دیکھا۔ جہاں نوید اور نزہت دنیا ومافیہا سے بے خبر عہد و پیمان کیے جا رہے تھے۔ سب سے آگے چلتی پشمینہ کو جو بریک لگے تو سب ہی حیرانی سے رک گئے۔ نوید کا اعلان محبت اور کوئی سننے سے تو رہا' ہر کسی نے پشمینہ کے کان تھوڑے پائے تھے۔

"اکبر! یہ لڑکا نوید نہیں۔ پولیٹکل سائنس والوں کا؟"

پشمینہ نے بڑی رازداری سے کہنی اکبر کو رسید کرتے ہوئے پوچھا۔ اکبر نے گھور کر اسے دیکھا اور منہ بنا کر بولا۔

"ہاں وہی ہے لیکن۔"

"اس کی بات سنی کسی نے؟" پشمینہ اعظم بے تاب ہو کر تیر کی طرح لپکیں نہر کنارے اور ادھر مراد نے اپنی بے سُری آواز میں الاپنا شروع کیا۔

"چھوٹے' لمبے بھاگ تیری شامت آئی رے۔ شامت آئی رے۔" (نوید کا قد جتنا لمبا تھا۔ نزہت کا اتنا مختصر۔)

"خدا نے کیا خوب گلی ڈنڈا ملایا ہے۔" فہمیدہ نے بڑی سنجیدگی سے نثر میں کہا۔ اور قبل اس کے کہ نوید اور نزہت سنبھلتے آپ دندناتی دلہن کی طرح سر پر حاضر۔

"او خانہ خراب نوید!" انہوں نے ہاتھ جھٹک کر اپنی پسندیدہ گالی ارشاد کی اور ادھر پروفیسر سرمد حیات سمیت پورے جرنلزم ڈپارٹمنٹ کی چھوٹی ہنسی' ہنسوں کا وہ جوڑا جو اس مداخلت بے جا پہ چونکا ہی تھا۔ ڈی ایس پی کی صورت دیکھ کر سناٹے میں آگیا۔

"او خانہ خراب نوید!" پشمینہ نے گویا نئے سرے سے بات شروع کی۔

"آج سے ساڑھے تین ماہ قبل' کیفے ٹیریا کی ریلنگ پر بیٹھ کر یہی جملہ تم نے سوشیالوجی کی غوثیہ حق سے نہیں کہا تھا؟"

نوید ہی وہ بدقسمت نوجوان تھا جو ایک بار پہلے غوثیہ حق کی معیت میں پشمینہ کی ڈانٹ سے لطف اندوز ہو چکا تھا۔

"کیا؟" نزہت کی آنکھیں حیرت سے نکل آئیں۔

"سٹوپڈ! تمہیں تو مائیگریشن کرائے صرف ایک ماہ ہوا ہے۔ تمہیں کیا پتا۔ یہ پاجی نوید کتنا فلرٹ ہے' سلمیٰ سعید اور غوثیہ حق والے افیئر تو میرے سامنے کے ہیں۔ پچھلوں کا ابھی علم نہیں۔" پشمینہ بھانڈے پھوڑنے لگی۔

"نوید!" نزہت نے روہانسی ہو کر سوالیہ نظروں سے اپنے مرحوم عاشق کو دیکھا' جس کی روح قفس عنصری سے پرواز کرنے کو بے تاب تھی۔

"میرا تو جی چاہتا ہے' اس ملعون کو اٹھا کر نہر میں پھینک دوں۔" پشمینہ نے اعلان کیا۔

"پھینک دو۔" نزہت نے رُندھی آواز میں اجازت دے دی اور پھر پشمینہ نے آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ سینک سلائی سا نوید دوسرے لمحے نہر میں غوطے کھا رہا تھا اور پشمینہ نزہت کا شانہ تھپکتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"چلو ہمارے ساتھ ایک کپ چائے پی لو' ٹھیک ہو جاؤ گی۔"

سڑک پر ہمیشہ کا یہ بدتمیز جرنلزم ڈپارٹمنٹ' سڑک بلاک کیے ٹریفک کے ہنگامے سے بے نیاز۔ ہنس ہنس کر دوہرا ہو رہا تھا' مجال تھی جو کاروں کے ہارن سننے کے باوجود ان کے کان پہ جوں تک رینگ جاتی۔

اور تب جب پشمینہ' نزہت کو سموسے اور مرچوں

والی چٹنی کھلا کھلا کراس کے آنسو پونچھ رہی تھی۔ نیو کیمپس کے طول و ارض میں اس واردات کی روداد جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی کہ کلیھر بوائے نوید پٹ گئے۔ سب ہی جوق در جوق اظہار ہمدردی کرنے پولیٹکل سائنس ڈپارٹمنٹ کی طرف دوڑے جارہے تھے۔ جہاں نوید بچ بچ بھیگا بلا بنا بیٹھا تھا۔

☼ ☼ ☼

اس ہنگامے کے بعد لوگ اور بھی محتاط ہوگئے' عاشقوں نے حفاظتی انتظامات کرلیے۔ لیکن ہوا کیا؟ ایک دن کیمپس میں یہ خبر بڑی دلچسپی سے سنی گئی کہ آج پشمینہ باہتھیار' خوف ناک مونچھوں والے ہینڈسم نوجوان کے ہمراہ یونیورسٹی آئی تھی۔ وہ عموماً" بس میں یا اپنے بابا خان کے ساتھ آیا کرتی تھی۔ بھائی اس کا تھا نہیں اور جلد ہی یہ بات ثابت ہوگئی کہ وہ ولن جیسا نوجوان اس کا کزن بخت بلند آفریدی تھا جو ان دِنوں کوہاٹ سے آیا ہوا تھا۔

تب گرمیوں کے بورے' لمبے دِنوں میں جب وہ سب نہر کے کنارے یا کیفے ٹیریا میں بیٹھے گھنٹوں اس ثقافت پر احمقانہ و بے معنی بحثیں کیے جاتے۔ پشمینہ اعظم خلاف معمول بڑی چپ چپ رہتی تھی۔ عرصہ سے اس کے ہاتھوں کوئی ہنگامہ بھی نہ ہوا تھا اور سرمد حیات جو اسے پروپوز کرنے کی تیاری میں تھے' ایک دن اس خبر کے ساتھ بجھ کر رہ گئے کہ آج کل پشمینہ کی کوئٹہ کے ہینڈسم عطاء اللہ بگٹی سے بڑی گاڑھی چھننے لگی ہے' پشمینہ اس سے ملتی بھی ہے۔

یہ خبر پشمینہ کو ملی تو خلاف معمول وہ خاموش رہی اور چند دِنوں کے بعد سائیکالوجی ڈپارٹمنٹ کے باہر نثار ہمدم اس کے ہاتھوں پٹ گیا۔ پشمینہ کی تحقیق کے مطابق یہ خبر اسی کے دماغ کی اختراع تھی۔ سب ہی پر اوس پڑگئی۔ ورنہ سب کا خیال تھا عطاء جیسا سنگلاخ و سرد مہر لڑکا صرف پشمینہ ہی کے ساتھ میچ کرسکتا ہے۔ پھر یہ بھی پتا چل گیا کہ عطاء' بخت بلند کا دیرینہ دوست تھا اور ایک دوبار پشمینہ کو اس کا کوئی پیغام دینے آیا تھا۔

نثار ہمدم کی عطاء کے ہاتھوں بھی ٹھکائی ہوئی اور ... حیات کا غنچہ دل ایک بار پھر کھل اٹھا اور اگر عین ... دنوں ان کے ماموں خالق کا انتقال نہ ہوجاتا تو وہ اپنی ... کو کرنل اعظم کے گھر بھیجنے ہی والے تھے۔

☼ ☼ ☼

گرمیوں کی چھٹیاں آئیں اور چلی گئیں۔ پشمینہ کوہاٹ گئی تھی۔ اور پھر لوٹ کر نہیں آئی۔ سرمد حیات انتظار کرتے رہ گئے۔ کیمپس میں یہ خبر دھماکے کی طرح پھٹی تھی کہ پشمینہ اعظم کی شادی ہوگئی اپنے بچپن کے منگیتر کے ساتھ۔

فہمیدہ قیصرانی کا اترا ہوا چہرہ اور اس کی دھیمی آواز' یہ بات سنتے ہی کلاس میں سناٹا چھا گیا۔ حالانکہ اس نے سر حیات کے اٹینڈنس لینے پر پشمینہ اعظم کا نام سن کر بڑی آہستگی سے کہا تھا۔

"سر! وہ اب نہیں آئے گی۔"

"کیوں؟" سبط حسن نے حیران ہوکر اسے دیکھا۔

"اس کی شادی ہوگئی ہے۔" فہمیدہ نے دھیمے سے کہا۔ اور سرمد حیات حیات ایک لمحے میں... ذروں کی طرح ٹوٹ کر بکھر گئے۔ ساری کلاس بڑے زور سے چونکی تھی۔

"اس کے شوہر کا نام کیا ہے؟" کسی نے سناٹے میں پتھر پھینکا۔

"بخت بلند آفریدی!" سب ہی پھر چونکے۔

"وہ کرتا کیا ہے؟" سرمد حیات نے اپنی لرزتی انگلیوں کو کتاب پہ جماتے ہوئے بڑی دھیمی آواز میں پوچھا۔

"کرتا کیا ہے اس نے' میٹرک میں فیل ہونے کے بعد گاؤں واپس چلا گیا تھا۔ دولت کی کمی نہیں۔ زمینیں بے شمار ہیں' اپنی اسٹیٹ کی نگرانی کرتا ہے اور دشمنوں سے نمٹنے کی ترکیبیں ایجاد کرتا رہتا ہے۔" فہمیدہ تلخی سے بولی۔

"میٹرک فیل!" سرمد کی آواز حلق میں پھنسنے لگی۔

"بعض لوگوں کی ذہنیت دیہاتی ہوتی ہے' وہ کتنا پڑھ لکھ جائیں۔ لیکن بدلتے نہیں۔" فہمیدہ اپنی رو میں بولے جارہی تھی۔

"پشمینہ کیا کرے گی اب' وہ تو اتنے آزاد ماحول کی پروردہ ہے اور... اور۔" توقیر نے حسب معمول بات ادھوری چھوڑ دی۔

"کرنا کیا ہے اسے؟ چاندی کے زیور لادے' شنگھائی کے لمبے چوڑے سوٹ پہنے' چنیرے سر کے ساتھ کنوئیں کے کنارے بیٹھی ہلکی بنوئے گی۔ تنور پہ روٹیاں پکائے گی۔ اور جب اس کے بچے ہوجائیں گے تو انہیں پیٹ پیٹ کر گاؤں کے پرائمری اسکول بھیجا کرے گی۔" فہمیدہ ماحول سے قطعی بے خبر تھی۔

"لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے فہمی! کہ جب اسے بخت بلند آفریدی ناپسند تھا تو اس نے انکار کیوں نہیں کیا وہ تو اتنی بولڈ لڑکی تھی اور ماں' باپ کی لاڈلی بھی۔" آسیہ سلام نے سوچوں سے ابھر کر نکتہ اٹھایا۔

"کون کہتا ہے بخت بلند اسے ناپسند تھا؟" فہمیدہ نے حیران ہوکر آسیہ کی طرف دیکھا۔

"بھئی' وہ اتنی اداس اور خاموش رہنے لگی تھی۔" آسیہ نے صفائی پیش کی۔

"پاگل! اسے ماں' باپ کی جدائی کا خیال اداس کردیتا تھا۔ اکلوتی تھی ناوہ۔" اور پھر اچانک فہمیدہ نے سرمد حیات کی سمت دیکھا۔

"یو نو سر! میں اسے اپنے کزن جبار کے لیے پروپوز کرنا چاہ رہی تھی۔ جبار سعودی ایرلائنز میں پائلٹ ہے۔ پشمینہ اس سے ملی تھی' وہ اتنا ڈیسنٹ' ٹرینڈ اور اسکالر ٹائپ کا شخص ہے۔ پشمینہ نے اسے پسند کیا' لیکن مجھے پروپوزل بھجوانے سے منع کردیا' حالانکہ وہ جبار کو بہت پسند تھی۔"

"کیوں؟ کیوں؟" انجم نے بے تابی اور اشتیاق سے پوچھا۔

"اس کا خیال تھا محبت کو ہمیشہ اداس رہنا چاہیے' محبت افسردہ اچھی لگتی ہے' بخت بلند بھی اسے پسند تھا اور جب پچھلے دِنوں وہ اپنے والد کے ساتھ شادی طے کرنے لاہور آیا تھا تو پشمینہ نے قطعاً" بغاوت نہیں کی۔" اعظم انکل نے باربار کہا۔

"بیٹی! انکار کردو۔ بخت بلند تمہارے ساتھ میچ نہیں کرتا' وہ تقریباً" جاہل ہے' میں تمہاری خاطر خاندان بھر کی دشمنی مول لے لوں گا۔ تم ایک بار نہیں کہہ دو۔ میں ہنسی خوشی اپنی اس غلطی کا خمیازہ بھگت لوں گا' جو میں نے بچپن میں تمہاری منگنی کرکے کی تھی۔"

لیکن پشمینہ نے انکار نہیں کیا' اس نے کہا۔

"بابا! وہ میرے بچپن کا ساتھی ہے' وہ مجھے سب سے بہتر سمجھتا ہے' اس نے یونیورسٹی میں میرے پڑھنے پر اعتراض نہیں کیا۔ اس کے پاس ڈگری نہیں تو کیا ہوا۔ وہ مینٹلی میچور تو ہے نا' وہ پڑھے لکھوں کی ذہنی سطح سے بہت بلند ہے اور بابا میں اپنے گاؤں واپس لوٹ جانا چاہتی ہوں۔ میری سرزمین کا پیار مجھے پکار رہا ہے اور پھر۔ پھر اس نے شادی کرلی۔" فہمیدہ ایک دم خاموش ہوگئی۔

"محبت کو ہمیشہ اداس رہنا چاہیے' محبت افسردہ اچھی لگتی ہے۔" سرمد حیات نے دل میں باربار دہرایا۔

"اچھا بھئی' یہ بات پھر ڈسکس کریں گے۔ اب آج کا لیکچر شروع کیا جائے۔ آج ہم جرنلزم کے نئے ٹرینڈ' نئے رجحانات ڈسکس کریں گے۔"

وہ اپنی کلاس سے کہہ رہے تھے' لیکن ان کا دل' ان کا دماغ' ان کا سارا وجود خاموش آواز میں پکار پکار کر کہہ رہا تھا۔

یارو شہید رسم وفا ہم ہوئے کہ تم
اپنی سلامتی سے خفا ہم ہوئے کہ تم
مانا کہ وہ ہمارے مقدر سے دور ہے
اس کے لیے دعا ہی دعا ہم ہوئے کہ تم
مانا کہ ہم پہ اس کی محبت حرام ہے
چپ چاپ کشتگان وفا ہم ہوئے کہ تم
ہم اس ہوا کو چوم رہے ہیں جہاں وہ تھی
بیعت کنعان دست صبا ہم ہوئے کہ تم

☼